قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

دعوتِ فلاحِ خیر

تصنیف

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ

کتب خانہ قاسمی دیوبند (یوپی)

(مجیب پریس دیوبند)

قیمت ۸۵/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

امام المفسرین والمحدثین حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف سے جس طرح علماء اور طلبا مستفیض ہوتے تھے اسی طرح ان بلند پایہ علوم وفیوض و برکات سے عام مسلمان بھی روحانی شفاء اور سیرابی حاصل کرتے تھے پیش نظر مجموعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دوگرانقدر تقاریر کا مجموعہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے شائقین کے شوق و طلب کے باعث ادارہ ان کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ادارہ

وعظ الفلاح

(۱)

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد ووالد وما ولد لقد خلقنا الانسان فی کبد۔	میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی درانحالیکہ آپ رہنے والے ہیں اس شہر میں اور قسم ہے والد کی اور اس چیز کی جو جنا اس نے بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

یہ سورۂ بلد کی ابتدائی آیتیں ہیں۔ ان میں خدا تعالیٰ نے مکہ معظمہ کی قسم کھائی ہے۔ اس سے قبل کئی دفعہ یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ امام رازیؒ نے فرمایا

ہے کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں اس سے اس چیز کے عظیم الشان اور معظم و محترم ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے دوسرے اس میں جواب قسم کی دلیل ہوتی ہے یعنی قسم کھا کر جس مضمون کو بیان فرماتے ہیں۔ اسکی دلیل اور ثبوت اس قسم میں ہوتا ہے چنانچہ اس جگہ ایک تو مکہ معظمہ کی قسم کھائی کہ "قسم ہے اس شہر کی" درانحالیکہ آپ اس شہر میں رہنے والے ہیں" اور دوسری قسم والد کی اور تیسری مولود کی یعنی اولاد کی۔ اور ان قسموں کے بعد جواب قسم یہ ہے کہ "ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ اس جگہ جمہور علماء مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس مقام پر "والد" سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور "ما ولد" یعنی اولاد" سے ان کی کل اولاد مراد ہے اس طرح خداتعالیٰ نے اوّل سے لے کر آخر تک جتنے انسان پیدا ہوں ان سب کی قسم کھائی ہے۔ آگے جواب قسم میں جو یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے اس کو سمجھنے کے لئے اس صورت کا شانِ نزول سمجھ لیجیے۔

شان نزول اس سورت کا یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی طرف دعوت دی اور لوگوں کو تبلیغ شروع کی تو آپ نے احکام اسلام لوگوں کو بتائے اور بتایا کہ جو شخص میری اطاعت کرے گا۔ اس کے لئے جنّت ہے جس میں انواع

اقسام کے لذائذ اور ہر طرح کی راحت وآرام ہوگا اور جو شخص میری اطاعت سے روگردانی کرے گا۔ اور کفر میں مبتلا رہے گا اس کے لئے جہنم ہے جس میں ایسے ایسے عذاب اور تکالیف ہیں اور اس پر انیس ۱۹ فرشتے مامور ہیں۔ جب آپ کی دعوت کی خبر عام ہوئی تو مکہ معظمہ میں ایک شخص تھا۔ جس کی کنیت ابو الاسد تھی اور نام اس کا کلدہ تھا مکہ میں رہتا تھا اور بہت طاقت ور اور توانا آدمی تھا۔ اس کی توانائی کا یہ عالم تھا کہ اگر گائے وغیرہ کا دباغت دیا ہوا چمڑا بچھا کر اس پر اسے کھڑا کر دیا جائے۔ تو اس کے نیچے اس چمڑے کو بیس آدمی بھی مل کر نہ نکال سکتے تھے۔ چمڑا پھٹ جائے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ اور مال ودولت کا کوئی شمار نہ تھا۔ بہت متمول اور مال دار انسان تھا اس کے علاوہ اس نے متعدد نکاح کر رکھے تھے اور ایک سے ایک حسین وخوبصورت عورتیں اس کی زوجیت میں تھیں اس کو بھی آپ کی دعوت تبلیغ کی خبر پہنچی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوتِ اسلام دی اور جنت کی ترغیب اور جہنم سے ڈرایا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ جہنم کے بارے میں ارشاد ہے :-

وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے جیل خانہ بنایا ہے اور دوسری ہے :-

علیہا تسعۃ عشر یعنی جہنم پر انیس فرشتے مامور ہیں۔

یہ ساری باتیں سنکر اس نے نہایت تکبر اور غرور سے کہا کہ تم مجھے جہنم کے جیل خانہ سے اور اس بات سے ڈراتے ہو کہ اس پر انیس ۱۹ فرشتے ہیں سو میں ان کی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ انیس کے لئے میں اکیلا کافی ہوں۔ ان سے نمٹ لوں گا اور رہا جنت کا (جنت کے معنی عربی زبان میں باغ کے ہیں) سو میرے پاس متعدد سرسبز وشاداب باغات ہیں اور تم کہتے ہو کہ اس میں حوریں ہیں۔ تو میری زوجیت میں نہایت حسین وجمیل لڑکیاں موجود ہیں۔ اس لئے مجھے نہ آپ کی جنت کی ضرورت ہے نہ آپ کے بتائے ہوئے جہنم سے کوئی ڈر ہے نہ میں آپ کے طمع دلانے سے ڈگمگا سکتا ہوں اور نہ آپ کے خوف دلانے سے ڈر سکتا ہوں۔ سو اس شخص کو اپنی تین چیزوں پر تکبر و غرور تھا جس کی وجہ سے اس نے یہ کلمات کفریہ اور متکبرانہ کہے۔ اوّل طاقت۔ دوسرے مال و دولت۔ تیسرے عزت و وجاہت۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی تین چیزیں عموماً غرور

تکبر اور نخوت کا باعث ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ متکبرین اور مغروروں نے جھٹلایا اور اسی قسم کے لوگوں نے ان کا مقابلہ کیا چنانچہ قرآن مجید میں ہے :-

وقال الذین استکبروا — یعنی ان کی قوم کے متکبر لوگوں نے اپنے نبی سے (ان کا مقابلہ کرتے ہوئے) کہا

غرض اس شخص نے بھی آپ سے یہی کہا کہ کیوں مجھے ڈراتے اور طمع دلاتے ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس مغرور کے جواب میں پوری صورت نازل ہوئی جسکی ابتدائی آیتیں ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں جس میں حق تعالیٰ جل شانہ نے سب سے پہلے مکہ معظمہ کی قسم کھائی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مکہ اللہ کا نہایت ہی معظم و محترم شہر ہے علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب زمین پیدا فرمایا تو سب سے پہلے خانہ کعبہ کا نقطہ پیدا کیا اور یہیں سے پھر ساری زمین پھیلائی گئی اور بچھائی گئی اس طرح کہ سب سے پہلے خانہ کعبہ جس جگہ ہے اس کو بنایا پھر اس پاس کا شہر بنایا اور پھر باقی روئے زمین بچھائی گئی۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک تو آسمان کو پہلے پیدا کیا گیا۔ اور زمین کو بعد میں۔ مگر جمہور علماء مفسرین کی رائے یہی ہے کہ پہلے زمین

پیدا کی گئی اور علامہ حافظ ابن کثیر نے اس کی دلیل قرآن مجید
سے پیش کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے :-

جعل لکم الارض فراشاً — تمہارے لئے زمین کو ہم نے فرش بنایا۔

اور دوسری جگہ ہے :-

وَجعلنا السماء سقفاً محفوظا — ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔

اور محفوظ کا مطلب یہ ہے کہ آج تک نہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہوئی نہ کوئی خلل۔ نہ کوئی شگاف پڑا نہ کبھی مرمت کی ضرورت پیش آئی۔ جیسا بنا دیا تھا ویسا کا ویسا ہی آج تک موجود ہے یہ مطلب ہے محفوظ ہونے کا۔ غرض ان دونوں آیتوں کے ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ آسمان کو بعد میں پیدا کیا گیا اور زمین کو پہلے کیونکہ طریقۂ تعمیر یہی ہے کہ اوّل مکان کے نیچے کا حصہ بنایا جاتا ہے پھر چھت ڈالی جاتی ہے نیچے کے حصے کی تعمیر پہلے ہوتی ہے اور چھت بعد میں ڈالی جاتی ہے اور یہ امر خلافِ عقل ہے کہ چھت پہلے بنا دی جائے اور بعد میں نیچے کا حصہ تعمیر ہو اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حتیٰ کہ آسمانوں سے بھی پہلے خانہ کعبہ کو بنایا گیا پھر اس شہر کی عجیب وغریب شان رکھی۔ جس کے متعلق ارشاد ہے کہ :-

وادٍ غیر ذی زرع یعنی ایسی وادی کہ جس میں کھیتی باڑی کا کہیں نام و نشان نہیں

جس میں نہ کوئی کھیتی باڑی ہے نہ کہیں سبزہ زار ہے نہ کوئی نہر ہے نہ چشمہ ہے بس ریت کے میدان ہیں اور بے آب وگیاہ پہاڑ اور جب اس پر سورج سمت الراس سے پڑتا ہے تو گرمی بھی نہایت شدت کی پڑتی ہے غرض راحت و آرام کے جملہ سامان مفقود ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے یہاں پر وہی ٹکے گا جس کو حق تعالےٰ سے تعلق ہوگا۔ کوئی تفریح اور دلبستگی کی وجہ سے نہاں نہیں رہ سکتا۔ غرض یہ شہر اس طرح بنایا کہ اس میں زمین سے بھی مشقت آسمان سے بھی مشقت۔ تو اس شہر کی قسم کھانا جو طرح طرح کی مشقتوں سے گھرا ہوا ہے دراصل اشارہ ہے جواب قسم کی طرف۔ کہ یہ جگہ صعوبتوں اور مشقتوں کا مرکز ہے دیکھئے اسلام سے قبل آدھی دنیا قیصر روم کے زیر نگیں تھی اور آدھی دنیا پر کسریٰ کی حکومت تھی لیکن عرب کی زمین کو نہ قیصر روم نے اپنا دارالحکومت بنایا نہ کسریٰ نے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ بنجر اور غیر نفع بخش علاقہ اس قابل نہیں کہ اس پر حکومت کی جائے کیوں کہ اس سے کسی

قسم کی آمدنی ہی نہیں نہ کھیتی باڑی نہ تجارت نہ صنعت. لیکن خدا تعالے کی حکمت اس کی مقتضی تھی کہ اپنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ پیدا کریں کہ جہاں کسی کی حکومت اور اقتدار نہ ہو اور اس جگہ پر اللہ کی حکومت قائم ہو۔ سو الحمد للہ وہی اونٹ چرانے والے اور بادیہ پیما لوگ جو وحشی کے نام سے دنیا میں مشہور تھے۔ اسلام کی برکت سے اس قابل ہو گئے کہ جنھوں نے قیصر و کسرے کی سلطنتوں کے تخت الٹ دیئے اور دانگ عالم میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ غرض اس شہر کی قسم کھائی - جو سراپا مشقت ہے آگے ہے۔

ووالد وما ولد یعنی قسم ہے والد کی اور اس کی اولاد کی۔

والد بھی مشقت کا پتلا ہے اور اولاد بھی اولاد تو اس طرح کہ بچہ ماں کے پیٹ میں بچہ دانی میں بند ہے غذا اس کو اس خون سے ملتی ہے جو کہ گندا اور خراب ہوتا ہے کیوں کہ اطباء کا اتفاق ہے کہ ہر ماہ جو خون عورت کے جسم سے خارج ہوتا ہے وہ ایام حمل میں بند ہو جاتا ہے اور اس سے بچے کو غذا پہنچتی ہے غرض بچہ وہاں بند ہے جو ظاہر ہے کہ مشقت کا باعث ہے یا ولادت کا مرحلہ آیا تو بچہ پیدا ہوا ہو پیدا ہو کر رو تا ہے

کیوں کہ اس کو روزی کی تلاش و جستجو ہوتی ہے اور یہ بھی مشقت کا باعث ہے اب پستان مادر سے دودھ حاصل کرتا ہے اور دو برس تک مردے کی مانند جھولے میں پڑا رہتا ہے اور بے حس و حرکت کچھ دین دنیا کی اس کو خبر نہیں ہوتی۔ اس کے بعد ذرا بڑا ہوا تو مکتب میں بٹھایا گیا جہاں استاد کی سرزنش اور مارپیٹ شروع ہوگئی اس طرح یہ زمانہ بھی مشقت اور تکلیف ہی گذرا۔ پھر انسان تعلیم سے فارغ ہوا تو شادی ہوگئی لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ شادی مسرتوں اور خوشیوں اور راحتوں کا چشمہ ہے مگر حقیقت میں نگاہ سے دیکھا جائے اور غور کیا جائے تو سراسر مشقت کا باعث ہے نہ کہ راحت و آرام اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اکیلا ہوتا ہے تو کسی نہ کسی صورت اپنا گذر کرتا ہی رہتا ہے مگر شادی کے بعد انسان کو کما کر لانے کی بڑی بھاری فکر لاحق ہو جاتی ہے اور دن رات بس یہی فکر ہے کہ لا لا کر گھر میں دیتے رہو اور بیوی کی ناز برداریاں کرتے رہو یہ حاصل ہے شادی کا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے حقیقت نکاح کی دریافت کی کہ حضرت نکاح کیا ہے آپ نے فرمایا کہ "لزوم مہر" یعنی سب سے

پہلی بات تو یہ ہے کہ مہر لازم ہو جاتا ہے سائل نے سوال کیا "ثم ماذا" کہ پھر کیا؟ آپ نے فرمایا کہ سرورِ شہر" یعنی کچھ دن کی ایک ایک مہینے کی خوشی۔ اس نے پھر سوال کیا "ثم ماذا" کہ پھر کیا؟ آپ نے فرمایا کہ "غموم دہر" یعنی عمر بھر کا غم۔ اور واقعی یہ ایسا غم ہے کہ جس سے انسان کو نجات نہیں ملتی اور پرانے قسم کے لوگوں کو کچھ کم غم ہوتا ہے مگر آج کل کے مہذب اور متمدن حضرات کو تو بہت ہی سخت غم ہوتا ہے کہ کما کما کر سارا لا کر بیگم صاحبہ کو دید و اور اوپر سے ناز نخرے اٹھاؤ۔ ان کے رحم و کرم پر پڑے ہیں جو دید یا خرچ کر لیا ورنہ خیر۔ ان سے بڑھ کر غموم دہر کا مصداق اور کوئی نہ ہوگا۔ تو لوگ سمجھتے ہیں کہ شادی کر کے بنگلہ اور کار اور نوکر چاکر اور عیش و آرام ہوگا مگر آخر ان چیزوں کے لئے جن اخراجات کی ضرورت ہے وہ کہاں سے پورے کرو گے غرض یہ کہ شادی کے بعد انسان مشقت میں گرفتار ہو جاتا ہے سائل نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پھر سوال کیا کہ حضرت اس کے بعد کیا؟ آپ نے فرمایا کہ "کسور ظہر" یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے واقعی مشقتیں اور مصیبتیں جھیلتے جھیلتے انسان کی کمر ہی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اس کے بعد سائل نے آپ سے سوال ہی نہیں کیا۔ مگر میرا خیال

ہے کہ اگر سوال کرتا کہ پھر کیا؟ تو اس کا یہی جواب ہوتا کہ "نزول قبر" یعنی اس کے بعد انسان قبر میں اتر جاتا ہے تو یہ ہے انسان کی شادی اور یہ ہے اس کا انجام اور مختلف مراحل، تو غرض اولاد بھی مشقت میں گرفتار رہے یہ سب قسمیں کھا کر آگے فرماتے ہیں:۔

لقد خلقنا الانسان فی کبد — ہم نے یقیناً انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

. . .

اس جملے میں اس متکبر و مغرور کا جواب اس طرح ہوا کہ "اے متکبر و مغرور انسان! ذرا اپنے حال پر ایک نظر تو ڈال کس منہ سے متکبرانہ الفاظ نکالتا ہے اور کیسا سمجھ کر جنت و دوزخ کا انکار کرتا ہے؟ ذرا اس شہر کی طرف تو دیکھ! جس میں تو رہتا ہے کہ وہ سراپا رنج و تکلیف ہے۔ ذرا اس کی آب و ہوا پر نظر ڈال تو تجھے معلوم ہو کہ تو کتنا عاجز و لاچار و مجبور رہے رہتے ہے اختیار میں کچھ نہیں پھر جب سے پیدا ہوا اس وقت سے لے کر آج تک مشقت و محنت میں تیرا وقت گزرا اور گزر رہا ہے اور برابر ہموم و غموم میں مبتلا ہے تو جس شخص کا یہ حال ہو کہ ہر طرف سے اسکو ہموم اور غموم مشقتیں گھیرے ہوئے ہوں

اس کو کیا حق ہے اس قسم کے متکبرانہ الفاظ کہنے کا اور اس کو کیا حق ہے خدا کے رسول کے ساتھ تمسخر کرنے کا یہ کلمات اور یہ باتیں ایسے شخص کیلئے ہرگز جائز نہیں۔" یہ تو اجمال جواب تھا۔ آگے تفصیلی جواب شروع ہوتا ہے اس اجمالی جواب میں عام طور سے فرمایا کہ انسان مشقت میں ہے یعنی خواہ انفرادی طور پر دیکھ لو یا اجتماعی طور پر رعایا کو حکومت کا ڈر ہے اور حکومت کو رعایا کی طرف سے پریشانی ہے نہ بادشاہ آرام میں ہے نہ فقیر آگے فرماتے ہیں :-

ایحسب ان لن یقدر علیہ احد ❊ کیا اس کا گمان ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہیں۔

یعنی یہ جو اس کافر کا خیال ہے کہ کون میرے اعمال کا حساب لے گا اور کون مجھ سے باز پرس کرے گا۔ تو کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہیں ہے؟ کیا جو مشقت اور محنت وہ جھیل رہا ہے اس کے باوجود بھی اس کو یہ گمان ہے۔

ایحسب ان لم یرہ احد کیا اسکا گمان ہے کہ اسکو کوئی دیکھ نہیں رہا

اس کا گمان تھا کہ تم جو کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اس کے مطابق جزا و سزا دے گا

تو میں اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ خدا دیکھ رہا ہے اس کا کیسا عجیب جواب ارشاد فرمایا۔

الم نجعل لہٗ عینین — کیا ہم نے وہ آنکھیں نہیں بنائیں ؟

یعنی جس خدا نے تم کو آنکھیں عطا کیں جن میں اس نے محض اپنی قدرت سے دیکھنے کی طاقت پیدا کی۔ تو کیا جو بینائی پیدا کرتا ہے وہ خود دیکھنے سے عاجز ہوگا جس نے تم کو بینائی دی وہ تم کو نہ دیکھے گا۔ اس کے بعد اس کی اس بات کا جواب ہے کہ میں اس بات کو نہیں مانتا کہ جو کچھ مال میں خرچ کرتا ہوں اور مقصود اس سے شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اس کا علم ہے کہ کس نے کس نیت سے مال خرچ کیا سو اس کا جواب فرمایا کہ :-

ولساناً وشفتین — اور کیا ہم نے اس کی زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے ؟

دیکھئے انسان کے دل میں جو خیال آتا ہے یا جو بات آتی ہے تو اس کا اظہار کا طریقہ یہی ہے کہ انسان اس کو زبان اور ہونٹوں کی مدد سے ادا کرتا ہے تو گویا اظہار ما فی الضمیر کا وسیلہ زبان اور لب ہیں اس لئے فرمایا کہ جو ذات تمہارے

دل کے چھپے ہوئے رازوں کے اظہار کے واسطے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ کیا وہ خود ان سے بے خبر ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں۔

وھدینٰہ النجدین اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتلا دیئے۔

یعنی ہم نے اس کو خیر و شر سمجھا دیا اور بتلا دیا کہ یہ راستہ خیر کا ہے۔ اور یہ راستہ شر کا ہے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ خیر و شر یہ ہے کہ سچ عقل عطا فرمائی تاکہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کی بتائی ہوئی باتوں کو سمجھو اور قبول کرو۔ غرض یہ کہ باہر انبیاء علیہم السلام راہ بتانے والے اور اندر عقل راہبری کرنے والی۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں لکھا ہے کہ عقل بذاتِ خود کسی چیز کو سمجھنے کے قابل نہیں، بلکہ باہر سے جو چیز اس کے سامنے آتی ہے اس کے متعلق وہ فیصلہ کرتی ہے۔ جیسے ڈاکٹر کسی مریض کے مرض کو تشخیص کرتا ہے تو عقل اس کو باور کر لیتی ہے کہ ڈاکٹر کا کہنا صحیح ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام انسانوں کو ہدایت کا راستہ بتلاتے ہیں تو جب خدا نے انسان میں عقل پیدا کی ہے کیا وہ قادر نہیں۔

ایک دفعہ ایک کافر ایک گلی سڑی انسانی ہڈی کہیں سے

لایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکرازراہ تمسخر اسکو اوپر کی طرف اچھالا جس سے وہ چورا چورا ہوگئی۔ اور کہنے لگا کہ:-

من یحیی العظام وھی رمیم — کون زندہ کریگا ان گلی ہوئی اور چورا چورا ہڈیوں کو

خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔

اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃٍ فاذا ھو خصیم مبین وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ قال یحیی العظام وھی رمیم

کیا انسان نے یہ نہیں سوچا کہ ہم نے اس کو ایک گندہ قطرہ سے پیدا کیا اور کیا اور آج وہ کھلا جھگڑا لو ہے اور ہمارا بارے میں (تمسخر سے) مثالیں بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بوسیدہ اور چورا چورا ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔

اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ اپنی پہلی پیدائش پر غور کرو اور سوچو کہ ہم نے تم کو نطفہ سے پیدا کیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ نطفہ کیا چیز ہے۔ سو تمام اطبا اس پر متفق ہیں کہ نطفہ انسان کے تمام بدن کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ ہے اور نطفہ سے جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی

اس میں سر کے جو اجزاء ہیں ان سے سر بنتا ہے جو پیر کے اجزا اس نطفہ میں آ گئے ہیں۔ اس سے بچہ کا پیر بنتا ہے۔ غرض تمام اجزاء سے وہی جزو بنے گا۔ تو جب انسان تخلیق کی اس صورت میں غور کرے گا تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ بچے کے جملہ اجزائے بدن اس کے ماں باپ کے بدن کے جملہ اجزاء میں بکھرے ہوئے تھے۔ جب خدا نے ان منتشر اجزاء کو ایک نطفہ کی صورت میں جمع کر کے اور پھر ان میں سے ہر ہر جزو کو الگ الگ کر کے اس سے الگ الگ اعضاء بنا دیئے تو پھر دوبارہ ان منتشر اجزاء کو جمع کرنے میں کیوں اشکال ہے جس خدا نے پہلی دفعہ جمع کر دیا تھا۔ وہ اب بھی جمع کر دے گا۔ اسی کو فرمایا۔

قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم

یعنی اس کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جو دلائل قیامت اور صورتیں ہیں۔ ان کا حاصل جمع اور تفریق ہے

یعنی پہلے انسان کے اجزاء متفرق تھے ان کو جمع کر دیا۔ پھر مرنے کے بعد منتشر ہو جائیں گے۔ پھر جمع کر دیا جائیگا اور اس کائنات میں روزانہ اس کو جمع تفریق کا مشاہدہ کرتے ہو۔ پھر بھی باور نہیں کرتے۔ غرض اس طرح حق تعالے جل شانہٗ نے اس متکبر و مغرور کا جواب دیا۔ تکبّر اور غرور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور مردود ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ایک عجیب بات تکبر اور غرور کے متعلق فرمائی ہے اور یہ کہ اور تو جتنے گناہ ہیں۔ ان کی سزا میں تو دیر ہو جاتی ہے مگر تکبر ایسا گناہ ہے کہ متکبر کو فوراً اس کی سزا مل جاتی ہے وہ یہ کہ متکبّر فوراً مخلوق کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اس لئے تکبّر سے بچنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ اب دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہم کو تکبّر اور غرور کی بلا سے محفوظ رکھے اور انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ حصہ دوم الفلاح

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ

سو وہ شخص گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور تم کو کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ کسی گردن کا چھڑا دینا یا کھانا

ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ
۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝
ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا
بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ
عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ۝

فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک میں ملے ہوئے محتاج کو۔ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہوا جو ایمان لاتے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم اور شفقت کی وصیت کی۔

یہی لوگ داہنے والے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا وہ لوگ بائیں والے ہیں۔ ان پر آگ ہو گی جو ان پر محیط ہو گی۔ اور اس کو بند کر دیا جائے گا۔

گذشتہ جمعہ میں نے اس سورۃ کا ابتدائی حصہ تلاوت کر کے اس کے متعلق بیان کیا تھا جس میں خداوند تعالیٰ نے ایک متکبر و مغرور متفاخر کی باتوں کا جواب دیا تھا۔ اب جو سورت کا باقی حصہ اس وقت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیا ہے اس میں خداوند تعالیٰ نصیحت فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بجائے ان متکبرانہ خیالات اور مغرورانہ الفاظ کے

یہ یہ کام کرنے چاہئیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:" فلا اقتحم العقبة
کیوں نہ گھاٹی سے پار ہوا وما ادرٰک ما العقبة" اور تجھے
معلوم بھی ہے وہ گھاٹی کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ
یہ شخص جو کلمات متکبرانہ کہہ رہا ہے اس کو اب چاہیئے کہ گھاٹی
سے گزر جائے۔ اور گھاٹی سے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ
یہ کنایہ ہے مشکل اور صعوبت سے چنانچہ اگر کوئی شخص
کسی مشکل کام کو کر گزرے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ
یہ شخص گھاٹی سے گزر گیا۔ اس جگہ یہ مطلب ہے کہ خداوند
تعالےٰ تک پہنچنے کا راستہ کوئی آسان اور ہنسی کھیل نہیں
ہے۔ بلکہ وہاں تک پہنچنے کے لئے کچھ مشکلات اور صعوبتیں
اٹھانی پڑیں گی۔ اور گھاٹی سے گزرنا پڑے گا۔ آگے اس گھاٹی
کا ذکر ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے فک رقبة
یعنی گردن چھڑانا۔ گردن چھڑانے کا مختلف معنی مفسرین نے
بیان کئے ہیں۔ مثلاً کسی غلام کو غلامی سے آزاد کرانا۔ دوسرے
قرض خواہ کا قرض ادا کر کے اس کی گردن چھڑانا۔ تیسرے یہ کہ
کسی مظلوم کو ظالم کے ظلم سے آزاد کرانا۔ مطلب یہ ہے کہ گھاٹی
سے گزرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی غلام کو آزاد کرد۔

یا کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے چھڑا دو۔ حاصل یہ ہوا کہ مال و
دولت پر غرور کرنے کے بجائے اس کو خدا کی راہ میں صرف
کرنا چاہیئے۔ آگے فرماتے ہیں او طعام فی یوم ذی مسغبۃ
یعنی گھاٹی سے گذرنے کا دوسرا طریقہ اور خدا تک پہنچنے کا
دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ کھانا کھلادے کسی بھوک والے دن
میں۔ اور یہ کھانا کس کو کھلادے؟ اس کا ذکر آگے ہے۔ کہ
یتیماذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ یعنی کھانا کسی قرابت دار
یتیم کو کھلائے یا مسکین کو جو بالکل خاک ہی میں ملا ہوا ہو۔ اس
جگہ جو مسکین کے ساتھ ذا متربۃ یعنی مٹی میں ملا ہوا فرمایا
اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض فقراء اور مساکین تو ایسے ہیں کہ جن
کا خرچ ان کی آمدنی سے زیادہ ہوتا ہے سو وہ بھی ایک طرح
کے مسکین ہیں۔ اور ایک وہ ہے کہ جس کی کوئی آمدنی ہی نہیں
اور اس کے پاس بجز خاک کے اور کچھ نہیں۔ اس کے حالات
ایسے ہیں کہ جیسے وہ بالکل مٹی ہی میں مل گیا ہو تو اس کو کھانا
کھلانا اور اس کی مدد کرنا یہ زیادہ باعث فضیلت ہے ایک
مرتبہ میرا مسوری جانے کا اتفاق ہوا لوگ وہاں ایک مسجد
بنوا رہے تھے ہم اس مسجد میں جا رہے تھے کہ راستہ میں

ایک پہاڑی پر نہایت ہی شاندار بنگلہ لوگوں نے مجھے دکھایا اور بتایا کہ جن صاحب کا یہ بنگلہ ہے وہ بہت رئیس اور مالدار آدمی ہیں اہل شہر نے ان سے بھی مسجد کی تعمیر کے لیئے چندہ طلب کیا۔ تو انہوں نے نہایت ہی لاپرواہی سے کہا کہ "میرے ہاں اس فنڈ میں گنجائش نہیں۔ خدا کی شان دیکھئے اسی روز شدید بارش ہوئی۔ اوران کے بنگلہ کا وہ پشتہ بارش کی وجہ سے گر گیا۔ جو بنگلہ کو سنبھالنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ کیوں بنگلہ پہاڑی کے اوپر کنارہ ہی پر واقع تھا اب وہ پشتہ گر گیا تھا ظاہر ہے کہ اس کے گرنے کی وجہ سے کوٹھی بھی کچھ مخدوش ہوگئی تھی تو لوگوں نے اس کو دکھا کر اوران کا واقعہ بیان کر کے کہا اب تو غالباً فنڈ میں گنجائش نکل آئی ہوگی۔ مقصد اس واقعہ کا بیان کرنے کا یہ ہے کہ اگر انسان خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کسی وجہ سے بھی عذر کرے تو ادب کو ملحوظ رکھے۔ گستاخانہ اور متکبرانہ الفاظ ہرگز زبان سے نہ نکالے۔ ایسے الفاظ خداوند تعالےٰ کو ناپسند ہیں۔ بعض اوقات حق تعالےٰ خود ہی اس کی سزا دیتے ہیں۔ اس لیے اس سے بہت ڈرنا چاہیئے آگے ارشاد ہے ثم کان من الذین امنو یعنی پھر ہوتا ان لوگوں میں سے جو ایمان

لائے۔ اس جگہ علماء کو یہ شبہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس جگہ "ثم" کا لفظ جس کے معنی پھر" کیوں فرمایا اس کا کیا مطلب ہوا۔ سو مطلب اس کا یہ ہے کہ گھاٹی سے گذرنے کے جو کام خدا تعالیٰ نے اس جگہ ذکر فرمائے۔ وہ کام کبھی کافر بھی کرتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے ہاں ضابطہ یہ ہے کہ نیک اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اگر ایمان ساتھ ہے تو عمل قبول ہے اور اگر کافر ہے تو رد ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر تم نے یہ سب کام کئے مگر ایمان نہ لائے۔ تو بے کار۔ اس جگہ ممکن ہے کہ آجکل کے مہذب اور متمدن لوگ یہ اعتراض کریں۔ کہ صاحب یہ تو کھلی تنگ نظری ہے کہ کافر اگر نیک کام کرے تو قبول نہیں۔ حالانکہ وہ بھی خدا کے لئے کرتا ہے اور اس کی نیت بھی خالص ہوتی ہے مگر محض کفر کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہدیہ اور نذرانہ دو جو مخالف ہے اس کا نذرانہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ہم تمہارا ہدیہ کیوں لیں۔ تمہارا ہم سے کیا تعلق ؟ تو اس کو کوئی تعصب اور تنگ نظری نہیں کہتا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے بالکل ٹھیک کیا۔

غیرت اور خودداری کا تقاضا ہے پس اگر خدا تعالے بھی اپنے دشمن اور مخالف کا نذرانہ قبول نہ کریں تو کیوں اشکال ہے اور خدا تعالےٰ سے تعلق رکھنے کا ذریعہ ایمان ہے جو شخص ایمان لے آیا اس نے خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کر لیا اور ایمان نہیں لایا وہ باغی ہے تو اگر وہ یہ شرط لگا دیں کہ اگر ایمان لاؤ گے تو قبول کریں گے ورنہ نہیں۔ تو عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس جگہ "پھر" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے قبل از اسلام یہ نیک کام کئے پھر وہ ایمان لایا تو اب اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہو گا کہ اس کے نیک کام جو اس نے قبل از اسلام کئے اسلام لانے کی برکت سے وہ سب قبول ہو جائیں گے۔ حکیم بن حزام ایک صحابی ہیں جو قبل اسلام لانے کے بھی بہت اور نیک آدمی تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا کہ کیا میرے وہ اعمال اور صدقات وخیرات قبول ہوئے یا رد ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ "اسلمت علی ما اسلفت من خیر" یعنی ... وہ تمام کے تمام قبول ہو گئے اس جگہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کافر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک

تو وہ جو کفر کے ساتھ ظالم اور شریر بھی ہوتے ہیں کہ لوگوں پر ظلم کرنے اور دوسری برائیاں کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور پھر کافر ہی رہنے کی حالت میں مر گئے۔ یعنی خاتمہ کفر پر ہوا۔ دوسری قسم وہ کہ نیکدل اور سخی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں نیک اعمال مثل صدقہ وخیرات وغیرہ کے کرتے ہیں اور خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔ تو ان دونوں میں آیا کوئی فرق ہے کہ نہیں۔ یعنی اس نیک کام کرنے والے کافر کو اس کے نیک کاموں کی وجہ سے کوئی فائدہ پہنچے گا یا نہیں؟ سو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ جائیں گے تو دونوں ہی جہنم میں اور دونوں کو عذاب بھی دائمی اور ابدی ہوگا مگر اس نیک کام کرنے والے کو عذاب ذرا ہلکا ہوگا۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے متعلق آتا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اے چچا میری خواہش یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیتے پھر میں خدا سے خود جھگڑ لوں گا۔ آپ یہ فرما رہے تھے اور ابوجہل بھی موجود تھے انہوں نے ابوطالب سے کہا کہ

ان کے کہنے سے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دو گے
تو اس موقع پر ابو طالب نے شعر پڑھے جو سیرت کی کتابوں
میں منقول ہیں ؎

ولقد علمت بان دین محمد ؐ — من خیر ادیان البریۃ دینا
لولا الملامۃ او حذار مسبۃ — لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

غرض یہ کہ انھوں نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ "میں عار کو نار پر ترجیح دیتا ہوں" اور یہ کہہ کر انتقال ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس واقعہ سے صدمہ گزرا۔ اور آپ فرمایا کہ اگرچہ وہ کفر پر گزر گئے۔ مگر جب تک خدا تعالیٰ ممانعت نہ ہو گی میں ان کے لئے استغفار کرتا رہوں گا چنانچہ آپ ان کے لئے استغفار فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ماتبین لھم انھم اصحاب الجحیم

نبی کے لئے اور ایمان والوں کے لئے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے واسطے مغفرت مانگے خواہ وہ مشرکین ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد

اس کے کہ ان پر یہ بات واضح
ہوگئی کہ وہ جہنم میں جائینگے۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے استغفار ترک کر دیا۔ اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم نے سوال کیا! آپ کے چچا ابو طالب نے آپکی اسقدر خدمت کی اور کفار کے مقابلہ میں آپ کی خوب مدد کی کیا اس کی وجہ سے ان کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میری برکت سے ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور جہنم میں سب سے کم عذاب اور سب سے ہلکا ان کو ہوگا یعنی ان کو آگ کی دو جوتیاں پہنا دی گئی ہیں۔ جن سے ان کا دماغ ہنڈیا کی طرح پکتا رہے گا اس مقام پر اس کی توجیہہ میں علامہ سہیلی نے سیر ابن ہشام کی شرح میں لکھا ہے کہ دو جوتیاں پہنانے میں حکمت یہ ہے کہ چونکہ ابو طالب سر تا پا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غرق تھے مگر قدم ملت جاہلیت پر قائم رہے اس لئے فقط قدموں کو عذاب دیا گیا۔ اور باقی بدن چھوڑ دیا گیا اس جگہ ایک اور شبہ کا جواب دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ قرآن مجید میں ہے۔

لا یخفف عنهم العذاب   کافروں سے عذاب ہلکا نہ کیا جائیگا۔

اس سے بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جو کافر نیک اعمال کرتے ہیں کو تو ہلکا عذاب ہو گا۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ اور آیت میں یہ ہے کہ کافروں سے ہلکا نہ کیا جائے گا۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض کی سزا ہلکی ہو گی۔ اور بعض کی شدید ہو گی یہ نہیں ہو گا کہ کسی کو ابتدا میں شدید عذاب تجویز ہوا۔ اور پھر بعد میں اس میں تخفیف ہو جائے اس سلسلے میں ایک واقعہ ابو لہب کا یاد آیا یہ آپ کا چچا تھا جب اس نے آپ کی ولادت مبارکہ کی خبر سنی تو اپنی ایک باندی ثویبہ نامی کو خوشی میں آزاد کر دیا۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ہر دوشنبہ کے دن ابو لہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ کیوں کہ آپ کی ولادت باسعادت دوشنبہ ہی کو ہوئی تھی۔ جس کی خوشی میں اس نے یہ نیک کام کیا تھا۔ جس کی برکت سے دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا ہو جاتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ نے ایک لفظ لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تین سورتیں ہیں جن کے شروع میں "قل" آیا ہے یعنی خداوند

تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل ھو اللہ۔ مگر اس کے بعد چوتھی سورت ہے وہ تبت یدا ہے اس میں "قل" یعنی کہہ دیجئے۔ نہیں فرمایا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ توجیہ اس کی یہ ہے کہ "قل" کا مطلب یہ ہو کہ خدا تعالیٰ اس بارے میں خود براہ راست خطاب نہیں فرما رہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے خطاب فرما رہے ہیں کہ آپ یوں کہہ دیجئے۔ تو خطاب فرمانے والے اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے تو چونکہ تبت یدا میں ابولہب کے عذاب کا ذکر ہے" اور ابولہب آپ کے چچا تھے۔ تو اگر اس میں کہیں "قل" فرماتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے عذاب کی خبر دینے والے ہوتے جو خلاف ادب تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے براہ راست خود یہ خبر دی۔ اپنے نبی کو حکم نہیں دیا۔ اسی طرح ایک جگہ زمخشری نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سارا پڑھ جائیے کہ انہوں نے فرعون کو دعوت دی اور خدا تعالےٰ کے احکام پہنچائے۔ اس پر فرعون

طرح طرح کے اعتراضات کئے۔ مگر کبھی بھی آپ نے اس کو کوئی سخت کلمہ نہیں فرمایا۔ کیوں جس گھر میں پرورش پائی تھی۔ اس کے لئے ایسا کرنا سوٗ ادب تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام سراپا ادب ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کا ادب بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ چہ جائیکہ مسلمانوں کا بھی ادب نہ کیا جائے غرضیکہ یہ ذکر تھا۔ گھاٹی سے پار رہنے کا۔ یہ درجہ ذاتی کمال کا ہے اب آگے تکمیل کا درجہ ہے کہ "وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة" یعنی کیوں نہ وصیت کی صبر کی کیوں نہ وصیت کی شفقت ورحمت کی۔ صبر کے فضائل تو قرآن مجید اور احادیث میں بے شمار ہیں۔ مگر ان کے بیان کا وقت نہیں۔

اس وقت صبر کے معنی سمجھ لیجیئے۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ خدا خداتعالےٰ نے انسان کے اندر نفس اور نفسانی خواہشوں کا مادہ پیدا کیا ہے۔ اور دوسری طرف دین کے احکام پر چلنے کا حکم دیا۔ تو جب کبھی بھی نفسانی خواہش میں اور دین کے حکم میں تصادم ہو تو اس وقت نفسانی خواہش کو پامال کر کے اور چھوڑ کے ترجیح دینا اور اس پر عمل کرنا۔ بس یہ معنی ہیں۔

صبر کیجئے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس بیس ہزار روپیہ امانت رکھوا یا اور مر گیا اور اس کے وارثوں کو بھی اس کا علم نہیں۔ اب نفس کی خواہش ہوئی کہ اس پیسے کو لے لینا چاہئے کیوں کہ دنیا میں اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں۔ اور دوسری طرف دین کا یہ حکم ہے کہ اس روپے کو اس کے ورثہ کے حوالے کر دو۔ اس موقعہ پر اس شخص نے اگر وہ روپیہ ورثہ کے حوالے کر دیا تو صبر کی فضیلت اس کو حاصل ہو گئی۔ کہ نفس کے مقابلہ میں دین کو ترجیح دی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ صبر کی نعمت ایسی ہے کہ جو فرشتوں کو نہیں ملی کیوں کہ ان میں نفسانی خواہشات ہی نہیں ہیں۔ تو ان کو ایسی کشمکش ہی پیش نہیں آتی۔ اس لئے صبر کے مقامات خداوند تعالے نے بنی نوع انسان کے لئے مختص فرمائے ہیں۔ آگے ہے کہ مہربانی اور شفقت کی وصیت کرنا۔ سو حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مہربانی اور شفقت کیا ہے؟ سو اسے

کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ انسان اپنے بیوی بچوں سے شفقت ومہربانی کا سلوک کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی عمر میں اس سے بڑا ہو۔ اس کے ساتھ باپ یا چچا کا برتاؤ کرے یعنی عزت واکرام کے ساتھ پیش آئے۔ خواہ اس سے کوئی رشتہ داری وغیرہ ہو یا نہ ہو۔ اور جو برابر کا ہو۔ اس سے اپنے بھائی جیسا سلوک کرے اور چھوٹوں سے بچوں جیسا برتاؤ کرے

حضرت فاروق اعظمؓ کا واقعہ ہے کہ آپ کے پاس آپ کے ایک گورنر ملنے کیلئے آئے۔ آپ کو تلاش کیا تو مسجد میں ملے دیکھا کہ بوریئے پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور محلّے کے بچے چاروں طرف جمع ہیں کوئی پیٹ پر چڑھ رہا ہے کوئی ٹانگوں پر کوئی دامن گھسیٹ رہا ہے اور کوئی سر پہ چڑھ رہا ہے ان کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کیوں کہ یہ بڑے دبدبے اور ہیبت والے گورنر تھے انہوں نے تعجب سے سوال کیا کہ اے امیر المومنین یہ کیا حالت ہے؟ یہ بات شانِ حکومت وخلافت کے مناسب نہیں۔ اور میں جو جب دربار کرتا ہوں تو بڑے رعب وداب سے کرتا ہوں کسی بچے کی تو کیا بڑے بڑے آدمیوں کی مجال نہیں

ہوتی کہ دم مارے. حضرت فاروق اعظمؓ سنتے رہے اور مزید تاکید کیلئے سوال کیا کہ کیا تم اسی طرح کرتے ہو! انہوں نے کہا کہ کہاں! آپ نے فرمایا کہ جاؤ ہم نے تم کو گورنری سے معزول کیا. تم گورنر ہونے قابل نہیں خدا نے ہم کو حکومت امارات اس لئے نہیں دی کہ ہم مسلمانوں اور ان کی اولاد کو ریاست اور حکومت کا دبدبہ اور ہیبت دکھائیں. بلکہ اس لئے دی کہ ان کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آئیں نہ کہ ان کے لئے ایک مصیبت بن جائیں. آگے حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ان کاموں کو کر گزریں.

اولئك اصحب الميمنة یہی لوگ داہنے والے ہیں.

اس کے مفسرین نے کئی مطلب بیان کئے. بعض نے "میمنہ" کے معنی برکت والے. مبارک اور نصیبے والے بیان کئے بعض نے کہا کہ میمنہ کے معنی داہنے والے اوّل صف میں یہ لوگ عرش کے داہنی طرف سے داخل ہوں گے. بعض نے کہا کہ چونکہ مسلمانوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا. اس لئے ان کو اصحاب

المیمنہ کہا گیا۔
آگے ہے :-

وَالذین کفروا بایاتنا ھم اصحب المشئمۃ — اور جن لوگوں نے ہماری آئتوں کا انکار کیا وہ لوگ منحوست والے ہیں۔

آگے فرمایا :-

علیھم نار موصدۃ — ان پر آگ ہوگی بند کی ہوئی

بند کی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سوراخ کھلا ہو تو اس میں سے آگ کی حرارت نکل جاتی ہے اور فی الجملہ حرارت میں کمی واقع ہوجاتی ہے اسی طرح باہر سے ٹھنڈک داخل ہوجاتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ دوزخ ان پر بند کردی جائے گی۔ نہ اس کی حرارت باہر نکل سکے اور باہر سے ٹھنڈک اس میں داخل ہوسکے۔ کوئی راستہ تخفیف کا نہیں۔

اس جگہ بعض لوگوں کو یہ اشکال گزرتا ہے کہ دائمی عذاب اور وہ بھی اتنا شدید خلاف تہذیب ہے اور عدل کے منافی ہے۔ مگر آپ دیکھئے کہ دنیا حکومتیں باغیوں کو چودہ چودہ سال کی بامشقت قید کی سزائیں دیتی ہیں۔ جس کا

جس کا مطلب یہی ہے کہ عمر بھر کی قید بامشقت کی سزا دیتی ہیں
کہ عمر بھر کی قید بامشقت۔ مگر اسکو کوئی خلاف عادل نہیں سمجھتا کہ آخر ایک قابل اور فاضل اور روشن دماغ انسان کو محض بغاوت کی بنا پر ہمیشہ کے لئے قید کر دیا گیا۔ اور اس کی ذاتی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا۔ حالانکہ یہاں پر دنیا کے جو حکام ہیں ان کی حیثیت یہ ہے کہ اس باغی کی زندگی اور حیات کے نہ وہ مالک ہیں نہ ان کی عطا کردہ ہے تو خدا تعالیٰ جس نے عقل و فہم جسم و جان سب کچھ عطا کیا۔ اور ہر چیز کا وہ خالق و مالک ہے تو اگر وہ اپنے باغیوں کے لئے عذاب دائمی کی سزا تجویز فرمائے تو اشکال کیوں ہے۔

آخر میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی قوانین کی رو سے کافر کو کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور اس سلسلے میں تعصب اور تنگ نظری کا گمان کرنا کم فہمی کی بات ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جس طرح کوئی حکومت اپنی حکومت کے باغی کو کوئی عہدہ دینا گوارا نہیں کرتی۔ کیونکہ جملہ کفار اسلام اور خدا رسول کے باغی ہیں۔ اور تمام حکومتوں کا قاعدہ ہے کہ

کہ باغی کو کوئی عہدہ نہیں ملتا۔ اس کی سزا حبس دوام ہے

اب دعا کرو کہ خدا تعالے ہم کو اس طریقہ پر چلائے جو طریقہ گھاٹی سے گزرنے کا خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اور خدا تعالیٰ ہم کو نافرمان اور باغی نہ بنائے۔ اور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری پر ہمارا خاتمہ فرمائے آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمدٍ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین وعلینا منھم یا ارحم الراحمین۔

کائنات میں انسان کا مرتبہ و مقام

عقیدے کی جڑ و بنیاد اس سے پڑتی ہے کہ کائنات میں انسان اپنا مرتبہ اور مقام معلوم کرے جب ہم اس سلسلے میں غور و فکر کرتے ہیں تو انسان کو ساری کائنات مخلوقات سے اشرف و اکرام پاتے ہیں انسان کے اوپر جس قدر بھی جوہری و جسمی اور عرضی کلیات ہیں انسان کیلئے ہیں اور انسان کے بنانے اور سنوارنے میں شریک ہیں جس سے انسان کی حقیقت اور اسکا قوام بنتا ہے تب وہ اپنی ہیئت کذایہ نگاہوں کے سامنے آنے کے قابل ہوتا ہے قرآن نے کہا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۔ ہم نے بنایا آدمی اچھی ترکیب میں (خوب اندازہ پر)

انسان کا جثہ دیکھ لینے سے انسان کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی کلی حقیقت کو پالینا اور پھر اس کا ان کلیات سے ربط معلوم کر لینا علم ہے۔ ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔

بہر حال انسان من حیث الکل ان تمام کلیات کا محتاج ہے یہ کلیات انسان کو موجود کرنے والی ہیں اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو انسان موجود نہیں ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ کائنات کا سلسلہ بالواسطہ یا بلا واسطہ انسان کے لئے ہے غور کرنے کا مقام ہے کہ کتنا بڑا عظیم الشان سلسلہ انسان کے لئے قائم کیا گیا ہے اور پھر انسان کو اس میں تصرف کرنے کی قوت اور اختیار دیا گیا ہے ارشاد باری عز اسمہ ہے۔

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔ زمین کی سب چیزوں کو تمہارے لئے
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا ۔ پیدا کیا ہے اور اس نے آسمانوں

فِی الْاَرْضِ (الجاثیہ) اور زمین کی سب چیزوں کو اپنے فضل سے، تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

پھر انسانیت میں سب انسان برابر ہیں کوئی بھی انسان ان باتوں میں امتیازی شان نہیں رکھتا انسان اور عبد، بندہ ہونے میں سب برابر ہیں اور آج بھی ان میں سے اکثر ملک ایسے ہیں جہاں یہ امتیازات کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے انسانوں کی اخوت، مساوات کا جو نظریہ پیش کیا، اور عملاً اس کو دکھایا۔ دنیا اصولی طور پر اس کی صحت کو تسلیم کر چکی ہے زمینی اور آسمانی نعمتیں سب کے لئے ہیں۔ زمین کے خزانے اور اس کی پیداوار، آسمان کی تاثیرات اور اس کے فیوض و برکات سب کیلئے ہیں۔"

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

☙

مجبوب پریس دیوبند

مجموعہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف: محمد اسلم رمزی قاسمی (فاضلِ دیوبند) ابن حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مدظلہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سوانح پر مشتمل ایک عظیم اور مفصل سلسلہ ہے جو پچیس مختصر حصوں پر تقسیم ہے، زبان و بیان کو خاص طور سے اتنا سادہ اور عام فہم رکھا گیا ہے کہ کم تعلیم یافتہ لوگ عورتیں اور بچے بلا تامل سمجھ سکیں، اس سلسلے میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے تمام گوشے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ پیغمبرؐ کی سیرت یعنی رفتار و گفتار، اخلاق و عادات، معاملات و غزوات غرض آپؐ کی تمام سیاسی و سماجی زندگی سے پوری واقفیت ہو سکے ہر حصہ علیحدہ معہ دلکش سہ رنگا ٹائیٹل، پچیس حصوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ولادت (۲) نشو و نما (۳) وحی (۴) آغازِ تبلیغ
(۵) تبلیغ عام (۶) روشنی اور اجالا (۷) معراج (۸) قبیلوں کے ساتھ
(۹) ہجرت (۱۰) منافقین (۱۱) آغازِ جہاد (۱۲) غزوہ بدر
(۱۳) غلبہ اسلام (۱۴) غزوہ احد (۱۵) احد کے بعد (۱۶) غزوہ احزاب
(۱۷) ادب اور پاکدامنی (۱۸) معاہدہ حدیبیہ (۱۹) غزوہ خیبر (۲۰) عمرۃ قضا
(۲۱) فتح مکہ (۲۲) غزوہ حنین (۲۳) غزوہ تبوک (۲۴) عروج
(۲۵) وفات۔ قیمت فی حصہ [illegible] مکمل سیٹ [illegible] سیٹ مجلد در دو جلد

فی حصہ ۶۵- مکمل سیٹ بلا جلد ۲۵-۱۶

مجلد ۱۸-۰